© rasailojaraid.com

نظرات

۲۷, اور ۲۸ دسمبر کو بمبئی میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن اس دھوم دھام اور جوش وخروش سے منعقد ہوا کہ تحریکِ خلافت کے زمانہ کی یاد تازہ ہوگئی۔ لیکن یہ اجتماع اس اعتبار سے اپنی نظیر آپ تھا کہ اس میں مسلمانوں کی مذہبی۔ تہذیبی اور سیاسی و تعلیمی تنظیمات اور اداروں میں سے کوئی تنظیم اور کوئی ادارہ ایسا نہیں تھا جس کی خاطر خواہ نمائندگی اس اجتماع میں نہ ہوئی ہو۔ اور پھر ان مختلف الافکار اور مختلف المسالک حضرات کی یہ شرکت محض رسمی نہیں تھی۔ بلکہ سب ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح گھلے ملے تھے کہ گویا ان میں کسی قسم کا کوئی اختلاف ہی نہیں۔ دو روز صبح سے شام تک کئی کئی نشستیں ہوئیں۔ مگر کیا مجال کہ کسی بھی شخص کی زبان سے قصداً یا بلا ارادہ کوئی ایسا لفظ نکلا ہو جس سے کسی خاص مسلک کے ساتھ اس کے وابستہ ہونے کا اشارہ نکلتا ہو۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک مقصدِ عظیم پر مسلمانوں کا یہ مخلصانہ اتحاد اور ایک جہتی اس ملک میں ان کی مذہبی زندگی کے بقا اور اس کے تحفظ کے لیے ایک فالِ نیک ہے۔ اور یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ مسلمانوں میں باہم کیسے ہی اختلافات اور تفرقے ہوں۔ لیکن جہاں تک نفسِ مذہب اور قانونِ شریعت کی بالادستی اور اس کی حفاظت کا تعلق ہے وہ سب ایک اور بنیانِ مرصوص کی طرح متحد ہیں۔ اس حیثیت سے یہ اجتماع مسلمانوں کا ایک نہایت اہم اور عظیم تاریخی اجتماع تھا اور اس کے اثرات یقیناً دوررس اور دیرپا ہوں گے۔ مندوبین اور مجلس مضامین کے اجتماعات کے علاوہ دونوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شب میں جو عام جلسے میدان میں منعقد ہوئے ان میں بھی مسلمانوں نے اس کثرت اور ولولہ و امنگ سے شرکت کی کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی غالباً تقسیم کے بعد سے اب تک مسلمانوں کے اتنے بڑے اجتماعات کبھی نہیں ہوئے۔ بمبئی میں اگرچہ سردی کم ہوتی ہے۔ تاہم موسم تو سردی کا ہی ہے۔ اس موسم میں کھلے میدان میں شب کے دو ڈھائی بجے تک ہزاروں انسانوں کا صبر و سکون سے بیٹھے رہنا اور تقریریں دلچسپی اور توجہ سے سننا اگر اس کو اسلام کے ساتھ والہانہ محبت اور جذبہ کا نتیجہ نہ کہا جائے تو اور کیا کہئے!!

مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں رہ رہ کر ملک میں آوازیں اٹھتی تھیں اور اس کا معاملہ گومگو کا تھا۔ ایک طرف حکومت کے بعض اعیان و اساطین کی طرف سے پارلیمنٹ، قانون ساز اسمبلی یا پبلک میں آواز اٹھتی تھی کہ پورے ملک کے لیے ایک ہی سول کوڈ ہونا چاہیے۔ کیونکہ قومی یکجہتی اس کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ دوسری جانب کچھ نام نہاد ترقی پسند مسلمانوں کی طرف سے مطالبہ ہوتا تھا کہ مسلم پرسنل لا میں تغیر و تبدل ہونا چاہیئے۔ تاکہ وہ زمانہ کی موجودہ ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق ہو سکے۔ مسلمان اخبارات میں اس قسم کے خیالات کی تردید ہوتی رہتی تھی۔ ان حالات میں یہ بہت اچھا ہوا بلکہ ضروری بھی تھا کہ مسلمان جماعتوں اور اداروں سب نے ایک آواز ہو کر اپنا ایک فیصلہ واضح اور غیر مشتبہ الفاظ میں ظاہر کر دیا۔ تھوڑی بہت مخالفت تو ہر چیز کی ہوتی ہے۔ اس فیصلہ کے خلاف بھی وقتاً فوقتاً آوازیں بلند ہوتی رہینگی، لیکن مسلمانوں کی رائے عامہ کیا ہے؟ بلا اختلاف مسلک و مشرب جمہور علما و زعما کا کیا فیصلہ ہے؟ بمبئی کے اس اجتماع کے بعد اس سوال کے جواب میں اب کسی کو — نہ حکومت کو اور نہ اکثریت کو کوئی شک و شبہ نہیں ہونا چاہیئے۔

اگرچہ اس کنونشن میں اور پبلک جلسوں میں تقریریں بڑے جوش و خروش اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلند آہنگی کے ساتھ کی گئیں۔ لیکن مسلمانوں کو یہ کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ ان جوشیلی تقریروں اور بلند بانگ دعاوی کا بھرم اسی وقت قائم رہ سکتا ہے جب کہ ان کے ساتھ عمل کی طاقت ہو۔ صرف ہندوستان میں نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کا اس وقت حال یہ ہے کہ باتیں دنیا بھر کی کریں گے۔ بھبکیاں دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھینگے۔ خطابت اور تقریر کے جوش میں حزم و احتیاط کا تسمہ لگا نہ رہنے دیں گے۔ لیکن ان کے دعاوی محض لفظی کا مظاہرہ ہوں گے اور عمل سے ان کا تعلق بس یونہی برائے نام ہوگا۔ قول و عمل کی یہ عدم مطابقت ایک قوم کی زندگی اور اس کی بقا کے لیے کتنا عظیم خطرہ ہے؟ اس کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ قرآن مجید میں سخت وعید کے انداز میں فرمایا گیا: "اے ایمان والو! تم ایسی باتیں زبان سے کیوں نکالتے ہو جن پر تم عمل نہیں کرتے۔ یاد رکھو! اللہ کو سب سے بڑی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تم وہ کہو جس پر تم عمل پیرا نہ ہو۔"

آج یہاں اور وہاں ہر جگہ اسلام اور مسلمانوں کو جو معاملات و مسائل پیش آرہے ہیں وہ خود مسلمانوں کی بے عملی - بلکہ بدعملی کے باعث پیش آرہے ہیں اور اس کا سب سے زیادہ المناک پہلو یہ ہے کہ ان کی بدعملی سے دینِ قیم بدنام ہو رہا ہے، شریعتِ محمدیہ دشمنوں اور بدقواروں کے طعن و تشنیع کا ہدف بنی ہوئی ہے۔ اور اس سب سے بڑھ کر یہ کہ حضور پرنور جو رحمتِ عالم بن کر تشریف لائے اور اس حیثیت سے کوئی شبہ نہیں کہ انسانیت کے سب سے بڑے محسن آپ ہی ہیں اب لوگوں کی جرأت کا یہ عالم ہے کہ مسلمانوں کی بدعملی کے باعث آپ کی شانِ اقدس میں بھی گستاخیاں کرنے سے نہیں شرماتے،

مسلم پرسنل لا تو اپنے اصطلاحی معنی میں صرف ایک جزوی چیز ہے - ورنہ اصل معاملہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو پوری شریعت اور اس کے قانون کا ہے۔ اس کے متعلق یہ بات بالکل صاف اور واضح ہے کہ اس میں کوئی کسی قسم کا تغیر و تبدل باین معنیٰ نہیں ہو سکتا کہ اس سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں بنایا جا سکتا، اس کا اختیار کسی اور کو تو کیا ہوتا! خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے ایک خاص تاثر کے ماتحت ایک مباح چیز کے استعمال نہ کرنے کا عہد فرمالیا تو قرآن میں آپ کو اس پر ٹوکا گیا اور یہاں تک فرمایا گیا کہ آپ لوگوں کا اس درجہ خیال کرتے ہیں حالانکہ اتنا خیال تو صرف اللہ کا کرنا چاہیئے"

البتہ حالات شخصی و انفرادی ہوں یا جماعتی و قومی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک معمولی (ORDINARY) اور دوسرے غیر معمولی (EMRGENT) علاوہ ازیں انسانی اجتماع و تمدن کے ارتقا کے ساتھ سماجی قدروں اور خیر و شر و نفع و ضرر کے معیاروں میں تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے اور کوئی قانون جس کا بنیادی مقصد انسانوں کی فلاح و بہبود ہو ان چیزوں سے صرف نظر نہیں کر سکتا۔ اس بنا پر یہ لچک شریعتِ اسلام میں موجود ہے اور اس میں اس بات کی صلاحیت بدرجۂ اتم ہے کہ سماج میں حالات خواہ کسی قسم کے بھی پیدا ہوں شریعت ان سے عہدہ برا ہو سکتی اور ان کی تلافی کر سکتی ہے۔

لیکن یہ ادل بدل کرنے کا حق کس کو ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود چونکہ خود شارع اور بانئ شریعت تھے اس بنا پر کتبِ حدیث کا مطالعہ وقتِ نظر سے کیجیے تو معلوم ہو گا کہ جس طرح ایک طبیبِ حاذق مریض کے حالات و کیفیتِ مرض میں تغیر و تبدل رونما ہوتا ہے تو اس کے مطابق وہ اپنے نسخہ میں بھی ترمیم و تنسیخ کرتا رہتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابِ معاملہ کے حالات کے پیشِ نظر احکام میں تغیر و تبدل کثرت سے کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ حق خلفائے راشدین کی طرف منتقل ہو گیا۔ کیونکہ یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین تھے اور اس بنا پر ان کی سیاست بھی دین کے تابع تھی حضرت عمر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلفائے راشدین میں طبعاً سب سے زیادہ جری، جسور اور بیباک تھے اور پھر کثرتِ فتوحات اور مملکتِ اسلامی کی توسیع کے باعث گوناگوں حالات بھی کثرت سے آپ کے عہدِ خلافت میں ہی پیش آئے اس بنا پر احکام میں ردوبدل کرنے کے حق کا استعمال بھی سب سے زیادہ آپ نے ہی کیا ہے۔ تاریخ دسیر کی کتابوں میں جس کو اجتہاداتِ عمر کہتے ہیں وہ اسی حق کے استعمال کا مظہر ہیں خلافتِ راشدہ کے اختتام کے بعد چونکہ ملوکیتِ عضوض قائم ہوگئی اور دین کو سیاست کے تابع بنالیا گیا۔ اس بنا پر اب احکام میں ردوبدل کا اختیار کسی حکومت کو نہیں دیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اب یہ اختیار مفتی اور قاضی یا علمائے مجتہدین۔ یا مسلمانوں کی مرکزی مجلس شوریٰ جس کے فیصلوں کو اجماع کا مرتبہ و مقام حاصل ہے ان کی طرف منتقل ہوگیا۔ حکومت اور ریاست کی جو صورت خلافتِ راشدہ کے بعد قائم ہوئی تھی۔ چند مستثنیات کو چھوڑ کر بدقسمتی سے وہ اب تک قائم ہے۔ اس بنا بریں یہ امر تو بالکل صاف ظاہر ہے کہ احکام شریعت میں ردوبدل کا حق کسی سیکولر اور غیر مسلم گورنمنٹ یا اس کی پارلیمنٹ کو تو کیا ہوتا موجودہ زمانہ کی مسلم حکومتوں کو بھی نہیں ہے۔

بمبئی کنونشن میں جو قرارداد منظور ہوئی ہے اس کا حاصل بس یہی ہے اور اس کے سوا کچھ اور نہیں لیکن مسلمانوں کو سمجھنا چاہیئے کہ موجودہ زمانہ میں اسلام کے جو تقاضے اور وقت کے جو مطالبات ہیں کنونشن اور اس کی تجویزیں ان کے لیے نہ کافی ہیں اور نہ ان سے ان کی تکمیل میں کوئی مدد ملتی ہے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کے سماج میں چند در چند خرابیاں ہیں ان کا خوش حال اور متمول طبقہ دولت کے پندار میں مباحات کا غلط استعمال کھلے بندوں اور بڑی ڈھٹائی سے کر رہا ہے اور وہ ذرا اس بات کو محسوس نہیں کرتا کہ اس کا یہ عمل غریب اور متوسط طبقہ کے لیے سخت پریشانی اور تشویش کا باعث بنا ہوا ہے اور اس بنا پر یہ شریعت اسلامیہ کی اسپرٹ اور روح کے سرتاسر خلاف ہے جب ایک طبقہ میں فساد ہوتا ہے تو ناممکن ہے کہ اس کی موجِ سبک گام دوسرے طبقات کی معیشت اور معاشرت کی دیوارں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک نہ پہونچے۔ چنانچہ اندازہ کیجیے، آخر کتنی عورتیں جو ہمارے سماج میں مظلومیت اور کس مپرسی کی زندگی گزار رہی ہیں۔ کتنی لڑکیاں ہیں جو شباب کی منزل کی آخری حد پر پہونچ جانے کے باوجود اب تک بن بیاہی بیٹھی ہیں اور صرف اس لیے کہ رسم و رواج نے عقد نکاح کے لیے اپنے ہاتھ سے جو بت تراشے ہیں۔ ان بدنصیب لڑکیوں کے ماں باپ ان بتوں پر چڑھاوے کا بندوبست نہیں کر سکتے، علاوہ ازیں کتنے بچے اور بچیاں ہیں جو حرمان و بدنصیبی کی زندگی بسر کرنے پر صرف اس لیے مجبور ہیں کہ ان کے بیرحم باپوں نے ان کی ماؤں کو کسی معقول وجہ کے بغیر طلاق دیدی ہے، یا طلاق تو نہیں دی۔ لیکن ایک اور عقد کر لینے کے باعث پہلی بیوی کو " کالمعلقہ " بنا کر چھوڑ دیا ہے۔ یہ اور اس کے علاوہ اور دسیوں معاشرتی خرابیاں ہمارے ملّی وجود کے وہ ناسور ہیں جو رفتہ رفتہ ہماری توانائی اور طاقت کو کم کر رہے ہیں۔ بمبئی کنونشن نے اس طرف کوئی توجہ نہیں کی اور نہ ان مسائل سے کوئی تعرض کیا، البتہ کنونشن میں ایک مستقل بورڈ کی جو تجویز منظور ہوئی ہے۔ ممکن ہے وہ اس جانب توجہ کرتے۔ بہر حال مسلم پرسنل لا کی حفاظت اور اس کے وقار کو باقی رکھنا ہے تو اس کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ مسلمان اس پر سچ مچ عمل کریں اور اس کا ایک ایسا نمونہ بن کر دنیا کے سامنے آئیں کہ دوسرے لوگوں کو قانون شریعت کی طرف کشش ہو اور وہ معترض اور نکتہ چین ہونے کے بجائے اس کے مداح اور معترف ہوں۔ پھر ان معاملات میں مسلمانوں کی رہنمائی ان کی نگرانی اور احتساب کے لیے ایک مجلس مشاورت ملّی ہونی چاہیے جو حالاتِ نو بنو کا جائزہ لیتی اور ان کے مطابق مسلمانوں کے لیے ایک راہِ عمل کی نشان دہی کرتی رہے۔

اگر یہ کنونشن اس آل انڈیا مجلسِ مشاورت ملّی کے قیام کا پیش خیمہ بن سکی اور اس سے اس کی راہ ہموار ہونے میں مدد ملی تو سمجھیے کہ ایک بہت بڑا کام ہو گیا۔ کنونشن جیسا تاریخی اور ہمہ گیر اجتماع روز روز نہیں ہو سکتا۔ اگر اس کو صرف چند تجویزوں کے پاس کر دینے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک محدود رکھا گیا تو یہ مسلمانوں کی نااہلیت اور کارکردگی کا ایک اٹل ثبوت ہوگا۔

بمبئی کے مسلمان عالی ہمتی۔ اولوالعزمی اور ملّی وقومی معاملات ومسائل کے احساس وشعور اور ان کے ساتھ عملی دلچسپی کے لیے مشہور رہے ہیں۔ چنانچہ مہاراشٹر کالج جہاں مہمانوں کے قیام وطعام اور کنونشن کی نشستوں کا انتظام تھا خود مسلمانانِ بمبئی کے ان اوصاف وخصوصیات کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ یہ چھ منزلوں کا نہایت عالیشان کالج ہے۔ جس کو انجمن خیرالاسلام نے اب سے چار برس پہلے چند ماہ میں بنا کر کھڑا کر دیا ہے۔ انجمن کو اس کی تعمیر کا خیال اس طرح پیدا ہوا کہ اس نے محسوس کیا سنٹرل بمبئی کے ایک حصّہ میں لاکھوں غریب (جن میں اکثر بیشتر مسلمان ہی ہیں) ہیں۔ ان کے لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے اعلیٰ تعلیم کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ کیونکہ اعلیٰ تعلیم گاہیں جو کچھ بھی ہیں جنوبی بمبئی میں ہیں اور وہاں ان غریب طلبا اور طالبات کے لیے داخلہ لینا سخت مشکل کام ہے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ انجمن نے کمرِ ہمّت باندھ لی اور وزیرِ تعلیم سے گفتگو کے بعد دو ہزار مربع گز کی ایک زمین خریدی۔ ۱۲ جنوری ۱۹۶۸ء کو ڈاکٹر رفیق زکریا وزیرِ مہاراشٹر گورنمنٹ کے ہاتھوں کالج کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور صرف پانچ مہینوں میں یعنی جون ۱۹۶۸ء کے ختم تک سہ منزلہ بلڈنگ مکمل ہو گئی اور اس میں کالج کا جس میں آرٹس اور سائنس دونوں کی تعلیم ہوتی ہے باقاعدہ افتتاح ہو گیا۔ اس کے بعد ابھی پورا ایک برس بھی نہیں ہوا تھا کہ منصوبہ کے مطابق تین اور منزلیں تعمیر ہو گئیں اور آج یہ عظیم الشان اور پرشکوہ کالج سنٹرل بمبئی کے قلب میں اپنی شش منزلہ عمارت کے ساتھ کھڑا مسلمانانِ بمبئی کی اولوالعزمی۔ بیدار دماغی اور روشن خیالی کی رجز خوانی کر رہا ہے۔ اس علاقہ میں کالج کی ضرورت کتنی شدید تھی! اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پہلے ہی سال میں یہاں چھ سو طلباء اور طالبات کا داخلہ ہوا۔ یہ ۱۹۶۸ء کی بات تھی ۱۹۷۲ء میں یہ تعداد بڑھتے بڑھتے ایک ہزار آٹھ سو پچاس تک پہنچ گئی۔ اس بلڈنگ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ طلبا کا ایک ہوسٹل بھی ہے۔ علاوہ ازیں انجمن نے اس بلڈنگ میں ایک میڈیکل سنٹر بھی قائم کر رکھا ہے جس کی حیثیت ایک خیراتی شفاخانہ کی ہے، انجمن کا یہ عظیم کارنامہ جب منظرِ عام پر آیا تو پورے مہاراشٹر میں دھوم مچ گئی۔

بمبئی میں مسلمانوں کے اور دوسرے ادارے اور انجمنیں بھی ہیں جو عام فلاح و بہبود کے کام خاموشی اور مستعدی سے کر رہے ہیں لیکن ان سب سے زیادہ فعال اور سرگرم غالباً انجمن خیر الاسلام ہی ہے۔ [illegible] میں اس نے اپنی جو چوالیسویں سالانہ رپورٹ شائع کی ہے اس میں بتایا ہے کہ اس وقت وہ اپنے زیرِ انتظام بارہ ہائی اسکول (لڑکوں اور لڑکیوں کے الگ الگ جن میں ذریعہ تعلیم اُردو ہے۔ تین کالج (بمبئی اور پونا میں) ایک طبیہ کالج۔ ایک شفاخانہ، ایک میڈیکل سنٹر، ایک صنعتی تعلیم کا ادارہ، دس کنڈرگارڈن، چار یتیم خانے (لڑکوں اور لڑکیوں کے الگ الگ) یہ سب ادارے جن پر مجموعی خرچ کم و بیش پچاس لاکھ سالانہ ہوتا ہے۔ بڑی کامیابی اور خوش اسلوبی سے چلا رہی ہے۔ اس رپورٹ میں اسکولوں اور کالجوں کے امتحانات کے جو نتائج شائع کئے گئے ہیں وہ نہایت حوصلہ افزا اور ولولہ آفریں ہیں لڑکوں اور لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد نے فرسٹ ڈویژن میں کامیابی حاصل کی اور یونیورسٹی سے انعامات پائے ہیں انجمن نے ان اداروں کے قیام پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ جہاں جہاں ضرورت ہے وہ مزید ہائی سکول اور کنڈرگارڈن کلاسز کھولتی جا رہی ہے۔ یہ کام عام فلاح و بہبود کے ہیں اس لیے غیر مسلم بھی ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لیکن چونکہ سرمایہ سب انجمن کا ہے اس بنا پر ایڈمنسٹریشن سب مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، اور اس بنا پر ان سب اداروں میں عربی، فارسی اور اُردو کی تعلیم کا اور گورنمنٹ کی پالیسی کے باعث۔ اخلاقیات کے زیرِ عنوان اسلامیات کی تعلیم اور اس کے مطابق طلباء اور طالبات کی اخلاقی نگرانی اور تربیت کا بھی خاص اہتمام و انتظام ہے۔ اس معاملہ میں مسلمانانِ بمبئی کی ہمت و جرأت کا اندازہ اس ایک بات سے بھی ہو سکتا ہے کہ مسلم پرسنل لا پر عظیم کنونشن انجمن کے ایک نمایاں اور نامور کالج میں منعقد ہوا۔ اور انجمن کے ذمہ دار

© rasailojaraid.com